مسلکِ اہلحدیث کا داعی اور ترجمان

جلد ۳۵ | ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ | جمعۃ المبارک | ۲۴ فروری ۱۹۸۴ء | شمارہ ۳۰

مندرجات

تبصرۂ کتب	۲
اداریہ	۳ - ۴
صحیح ایمان (درسِ قرآن)	۵ - ۶
جھوٹی شہادت اور اس کی سزا	۷ - ۱۰
بنک سے تعاون اور اس کے سود کا شرعی حکم	۱۱ - ۱۲
محمدی صراطِ مستقیم	۱۳ - ۱۶
پردہ عذاب نہیں، رحمت ہے	۱۷ - ۱۹
[illegible] و اعلانات	۲۰ - ۲۳

سالانہ ــــ ۵۰ روپے
فی پرچہ ــــ ۵۰/۱ روپیہ
ممالکِ غیر سے : ۲۰ پونڈ

تبصرہ کتب　　حافظ صلاح الدین یوسف

تسہیل الامۃ تبصرہ علی کشف الغمۃ

تالیف: مولانا ابوالسلام محمد صدیق صاحب سرگودھا
چھوٹا کتابی سائز، صفحات ۱۰۴ ● اشاعت فنڈ ۳ روپے
ناشر:- ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ۔ ڈی بلاک سیٹلائٹ ٹاؤن۔ سرگودھا۔

حال ہی میں ایک کتاب "کشف الغمۃ عن عمر ام الامۃ" سرگودھا سے شائع ہوئی ہے جس میں حضرت عائشہ (ام المومنین رض) کی شادی کے وقت کی عمر پر بحث کی گئی ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے کہ شادی کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر ۲۹ سال تھی۔

حضرت عائشہ رض کی صغر سنی کی شادی، جو صحیحین کی احادیث سے ثابت ہے، ایک عرصے سے منکرین حدیث کی طبع آزمائی کا تختۂ مشق بنی ہوئی ہے۔ آج سے تقریباً نصف صدی قبل بھی مرزائی اور منکرین حدیث کی طرف سے یہ بحث اٹھائی گئی تھی، لاہوری مرزائیوں کے بانی اور امیر مولانا محمد علی کی طرف سے اٹھائی گئی بحث کا جواب ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ میں مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے دیا اور احادیث صحیحہ کے دفاع کا حق ادا کر دیا۔ یہ گراں قدر تحقیقی مقالہ جو "معارف" کی جلدوں میں محفوظ اور عام اہل علم کی دسترس سے باہر تھا۔ حضرت الاستاذ المحترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف صاحب حفظہ اللہ نے کتابی صورت میں چھاپ دیا ہے جو مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور سے دستیاب ہے۔

دیگر منکرین حدیث کے مغالطات کا جواب اہلحدیث علماء نے دیا۔ اس سلسلے کے دو مضمون ہفت روزہ "توحید" امرتسر میں چھپے تھے جنہیں چند سال قبل "الاعتصام" میں چھاپ دیا گیا تھا۔ اسی طرح بعض مضامین "اہلحدیث" امرتسر میں بھی چھپے تھے۔

ان علمائے محققین رحمہم اللہ نے بحث کے تمام اہم گوشوں کو خوب منقح اور تمام مغالطات کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ خیال تھا کہ اب کسی طالع آزما کو مغالطہ دہی کی جرأت نہیں ہوگی لیکن سرگودھا کے بعض افاضل دیوبند نے اس موضوع کو ع

نیا دام لائے پرانے شکاری

کے تحت پھر چھیڑ دیا ہے اور مغالطات کے بادۂ کہن کو جام نو میں پیش کرنے کی سعی کی ہے اور اس دفتر بے معنی کو ایک ضخیم کتاب میں مرتب کر دیا ہے۔ تاہم بمصداق ع

ہر فرعونے را موسیٰ

سرگودھا کے ہی مشہور اہلحدیث عالم اور فاضل بزرگ مولانا محمد صدیق صاحب حفظہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دی کہ انہوں نے بڑھاپے اور ضعف کے باوجود اس مذکورہ کتاب کا پورا جائزہ لے ڈالا۔

زیر تبصرہ کتاب اسی مذکورہ کتاب کا پوسٹ مارٹم ہے۔ جس میں ان نئے منکرین حدیث کے مغالطات کا پردہ چاک کیا گیا ہے اور ان کی علمی خیانت اور بددیانتیوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ اور عقلی و نقلی دلائل سے حضرت عائشہ رض کی صغر سنی کی اس شادی کا اثبات زوردار انداز سے کیا گیا ہے۔ جس کا ذکر صحیحین کی احادیث میں آیا ہے۔ اس ضمن میں بہت سے اہم مباحث آ گئے ہیں جنہیں فاضل مؤلف دام ظلہ نے اختصار اور جامعیت سے کتاب میں سمو دیا ہے۔

صحیحین اور احادیث صحیحہ کے دفاع کے اس نہایت مبارک فریضے کی ادائیگی پر مولانا موصوف تمام اہل علم کی طرف سے شکریے اور قدر افزائی کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور گم کردہ راہوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

کتاب کی قیمت بھی بڑی مناسب ہے تقریباً لاگت کے مطابق ہی ہے اہل علم کو بطور خاص اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ
۲۴ فروری ۱۹۸۴ء

ہفت روزہ
الاعتصام
لاہور

جلد ۳۵
شمارہ ۳۰

پنجاب میں طلباء کی تنظیموں پر پابندی

حکومتِ پنجاب نے ایک مارشل لاء حکم کے تحت جمعہ 9 فروری ۸۴ء کو پنجاب کے تمام کالجوں، یونیورسٹیوں اور دیگر تعلیمی اداروں کی طالبِ علم تنظیموں (فیڈریشنوں، انجمنوں جمعیتوں وغیرہ) پر پابندی عائد کر دی ہے۔ ان کے دفاتر کو سربمہر اور ان کے مالی فنڈز کو منجمد کر دیا ہے۔ اس حکم کے کسی بھی حصہ کی خلاف ورزی پر پانچ سال قید بامشقت، املاک کی ضبطی اور جرمانہ کی سزا دی جا سکتی ہے۔

اس حکم کے نفاذ کے بعد اخبارات میں اس کی اشاعت پر فوری طور پر تو کوئی ردِ عمل سامنے نہیں آیا اور تادم تحریر کسی ناخوشگوار واقعے کی اطلاع نہیں ملی البتہ بعض تعلیمی اداروں کے سامنے پولیس کے مستعد دستے ضرور متعین کئے جا چکے ہیں۔ اور ہوا کے متوقع رُخ پر نظر رکھی جا رہی ہے۔

تمام طلبہ یونینوں کے عہدیداروں نے اس حکم کے خلاف شدید خفگی کا اظہار کیا ہے اور اس پر بعض سیاسی لیڈروں کے بیانات بھی آ چکے ہیں۔ مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ پابندی کن ناگزیر وجوہ کا نتیجہ ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جہاں تعلیمی میدان میں مسابقت کی ضرورت ہے وہاں سیاسی اکھاڑ پچھاڑ، یونینوں کے انتخابات کی گہما گہمی بلکہ ہنگامہ خیزی اور قتل و غارت تک کے واقعات ہو چکے ہیں۔ اکثر طلباء سال بھر اپنے نصاب سے کہیں زیادہ یونینوں کے جوڑ توڑ بلکہ توڑ پھوڑ میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کے اخلاق و کردار کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے اساتذہ بلکہ اپنے پرنسپلوں اور یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں تک کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ایک ایک کالج میں تین تین چار چار یونینیں باہم متصادم ہیں۔ انتخابات کے دنوں میں تو یہ تعلیمی ادارے پانی پت کا میدان بن جاتے ہیں۔ اور اس معرکہ آرائی میں زیرِ تعلیم طلباء کے ساتھ ان کے بیرونی ہمنوا اور سابق طلباء لیڈر بھی پوری طرح مسلح ہو کر میدانِ کارزار میں اُترتے ہیں اور تعلیمی اداروں کی فضائیں محاذِ جنگ کا رُوپ دھار لیتی ہیں۔ اور پھر اس کے نتیجے میں بعض والدین جو اپنے جگر گوشے کو ڈگری بدست گھر آتا دیکھنے کی تمنا لیے بیٹھے ہوتے ہیں اس کی لاش کو دروازے سے اندر آتی دیکھ کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی عمر بھر کی کمائی لٹ چکی ہوتی ہے۔ اور ان کا گھر ماتم کدہ بن کر رہ جاتا ہے۔

طلباء کی اس یونین سازی کی آڑ میں جو غنڈہ گردی کی جاتی رہی ہے وہ نہ عوام سے پوشیدہ ہے نہ سیاسی لیڈر اس سے نابلد ہیں۔ مگر ان سیاست دانوں نے اپنی جماعتوں کی سربلندی اور کامرانی کا جو محل طلباء کے کندھوں پر

تعمیر کیا تھا۔ وہ آج دھڑام سے نیچے آگرا ہے۔ اسلامی جمعیت طلبہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تمام سیاسی جماعتوں نے تعلیمی اداروں میں اپنے مہرے آگے بڑھائے تھے اور شطرنج کی بازی کھیلی تو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جاتی تھی مگر چالوں کی ڈور سیاست دانوں کے ڈرائنگ روموں سے ہلائی جاتی تھی طالب علم اپنے مستقبل اور والدین کی دولت اور امنگوں کو اس سیاسی بازی میں داؤ پر لگا دیتے تھے جس کا نقصان سراسر ان نادان بچوں اور ان کے بدنصیب والدین کا ہوتا تھا۔

تنظیموں پر لگائی جانے والی یہ پابندی بظاہر تو نظم و نسق کے خطرے کے پیش نظر لگائی گئی ہے مگر درحقیقت یہ ہر شریف آدمی کی توقع اور خواہش کے مطابق ہے۔ طلباء کے اپنے مستقبل کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ نہایت ضروری اقدام تھا جس پر اگر ردعمل کا اظہار قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں کیا گیا اور طلباء سیاست دانوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کر مظاہروں اور تخریبی کارروائیوں کے مرتکب ہوئے تو یہ یقیناً ملک و ملت کی بدنصیبی ہوگی اور بدامنی کا ایک اور طوفان ہوگا جس کی متحمل اب قوم نہیں ہو سکتی۔ البتہ طلباء کو چاہئے کہ حکومت کی طرف سے متبادل کونسلیں یا سوسائٹی بنانے کی جو تجویز رکھی گئی ہے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور اپنا تعلیمی مستقبل بہتر بنانے کے لئے بہتر راستے کا انتخاب کریں۔

مولانا پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا سانحۂ ارتحال

ممتاز محقق اور مصنف مولانا پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب ۱ فروری ۱۹۸۰ء کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پروفیسر صاحب موصوف ملک کی ایک بلند قامت علمی شخصیت کے مالک تھے۔ تعلیم و تعلم کے میدان میں آپ نے بہت نمایاں خدمات انجام دیں۔ کئی ایک کالجوں نے آپ کے علم و فضل سے فائدہ اٹھایا اور ہزاروں طلباء آپ کی تعلیم و تربیت سے فیض یاب ہوئے۔ آپ نے زندگی بھر علم و ادب کے ساتھ ساتھ دین متین کی تبلیغی اور تصنیفی خدمات کیں۔ آپ نے ایک طرف تو دیوانِ غالب۔ کلامِ اکبر الٰہ آبادی اور علامہ اقبال کی اکثر کتب کی شرحیں لکھیں اور دوسری طرف منبر و محراب سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی۔

مولانا موصوف ایک خوش بیان خطیب، صاحبِ طرز ادیب، بلند پایہ مصنف اور وسیع المطالعہ محقق تھے۔ آپ کتاب و سنت پر گہری نظر رکھتے تھے اور ساتھ ساتھ تصوف میں بھی بہرۂ وافر کے مالک تھے۔ آپ کی ایک کتاب "تاریخ تصوف" اپنے موضوع پر ایک بحرِ زخار کی حیثیت رکھتی تھی جس میں "حق بیانیوں" پر ایک حلقے نے غوغا آرائی کی۔ اور کتاب کو ضبط کروا دیا۔ مولانا موصوف خود بھی بزرگانِ چشت سے نسبت رکھتے تھے۔ اور ایسے تصوف کے قائل اور عامل تھے جو عین شریعت اور کتاب و سنت کے دائرہ میں ہو۔ شرک و بدعت کی مروجہ رسوم سے ہمیشہ مجتنب رہتے تھے اور توحید و سنت کی تبلیغ و اشاعت میں شمشیر برہنہ کا حکم رکھتے تھے۔

الاعتصام کے ساتھ مولانا مرحوم کا ایک گونہ تعلق تھا اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف مدظلہ العالی کے ساتھ قلبی ربط و شیفتگی اور غایت درجہ حسنِ عقیدت رکھتے تھے۔ ان کا عقیدتمندانہ تعلق مولانا محمد ابراہیم میر اور مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم سے بھی تھا۔ مناظرے کے رموز و اسرار جاننے کے لئے لاہور سے اکثر امرتسر جایا کرتے اور مولانا ثناء اللہ صاحب سے استفادہ کرتے۔

پروفیسر صاحب کی وفات ملک و ملت کے لئے یقیناً ایک سانحہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کے حسنات کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور لغزشوں سے درگزر فرماتے ہوئے فردوسِ بریں میں بلند درجات عطا کرے۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

درسِ قرآن
(قسط ۲)

مولانا عبدالمعید سلفی بنارس۔ ہند

صحیح ایمان

ان آیتوں میں مسلمانوں کے ایمان کی تعریف کی گئی ہے، ان کے ایمان کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ رب پاک نے فرمایا کہ ہمارے بندوں کا ایمان "ظلم" "ریب" "عبادتِ طاغوت" "محادات رب اور رسول" "شرک" اور "زیغ" سے پاک رہتا ہے۔ ان کا گلکدہ ایمان ان تمام جھاڑ جھنکار سے صاف رہتا ہے۔ اس کے عوض انہیں ناقابلِ شکست و ریخت مضبوط پناہ گاہ بشارتِ امن و ہدایت ملتی ہے۔ انہیں صادق کے عظیم اعزاز سے نوازا جاتا ہے۔ ان کے دلوں میں ایمان پیوست کر دیا جاتا ہے۔ اور انہیں ربانی تائید و نصرت ملتی ہے۔ خلافتِ ارض اور اقتدار نصیب ہوتا ہے، ان کا شمار اصحابِ فہم و فراست میں ہونے لگتا ہے۔ مذکورہ آیتوں میں جس خالص ایمان کی توصیف کی گئی ہے اور اس کے لئے جن اُمور سے بچنے کی شرط لگائی گئی ہے۔ اُن پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس قدر عقیدے کے اندر گمراہیاں پھیلی ہیں اس کا سبب عبادتِ طاغوت، ظلم، ریب، زیغ و محادات ہی ہیں۔

(۱) **عبادتِ طاغوت** سے اجتناب صحتِ عقیدہ کی اولین شرط ہے۔ عبادتِ طاغوت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عبادتِ رب اور اطاعتِ الٰہی کی راہ میں درپیش ہوسکاریوں کا شکار ہو جانا شیطان کے پھندے میں پھنس جانا اور صراطِ مستقیم سے بھٹک جانا، اس طرح نفس کے وسوسے ہوا و ہوس سے شہوات، دُنیا وی دھندے، رسم و رواج، اہل و عیال، ملک و وطن، قوم و قبیلہ، غلط کار رہبر و عالم، سبھی طاغوت بن سکتے ہیں اور آج جو دین کو سمجھنے کے لئے شخصیات معیار بن گئے ہیں۔ وہ بھی اگر راہِ راست سے بھٹکنے کا سبب بن جائیں تو اس بھٹکنے والے کے لئے طاغوت ہیں شخصیت پرستی اور تقلید جو دین پر صحیح طور سے عمل پیرائی سے باز رکھے وہ بھی اس شخص کے حق میں طاغوت قرار پائے گی۔

مومنِ کامل بننے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان طاغوت سے اجتناب کرے اور ان کا انکار کرے ورنہ وہ ایمان کے صلہ کا حق دار نہ ہوگا۔ اسے مضبوط پناہ گاہ نہ مل سکے گی وہ زندگی کے فتنوں اور آلام و مصائب میں درماندہ و حیران بے کس و لاچار بھٹکتا رہے گا۔ اور ہر نعرے کے پیچھے بھاگتا پھرے گا۔

۲۔ **ظلم**۔ سورہ انعام کی آیت ۹۲ میں مسلمانوں کو ہدایت یاب اور امن یافتہ ہونے کے لئے شرطیہ عائد کی گئی ہے کہ ان کا ایمان ظلم سے پاک ہو۔ ایمان کے ساتھ ظلم کی آمیزش کا کیا معنی ہے۔ اس کی تشریح رب پاک نے لقمان کی زبانی فرمادی ہے یَا بُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (میرے بیٹے اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا۔ شرک بہت بڑا ظلم ہے) اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہم کو اس آیت میں ظلم کا معنی شرک بتلایا اور سورہ لقمان کی مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔

وہ ایمان جس میں اس ظلم کی آمیزش نہ ہو اس کا بدلہ امن اور ہدایت ہے ایسے اصحاب ایمان ہدایت اور امن کی دولتِ بے بہا سے مالا مال ہیں اور جن کا ایمان ظلم کی آمیزش سے پاک نہ ہو وہ ضلالت اور جہالت کے گھیرے میں ہیں۔ انہیں امن نصیب نہیں۔ اُن پر خوف مسلط ہے۔ خوفِ عذاب خداوندی مسلط ہے۔ شیطان کی فتنہ سامانیوں کا انہیں اندیشہ ہے۔ دشمن کے نرغوں کا انہیں ڈر ہے۔ اور خالص ایمان والوں کو امن خدا میسر ہے انہیں عذاب آخرت سے چھٹکارا ملا ہے۔ شیطان انہیں اپنے جال میں نہیں پھنسا سکتا۔ دشمن کے فکری یلغار کا انہیں

ڈر نہیں۔

لیکن مسلمانوں میں اس ظلم کا بازار اتنا گرم ہے کہ زندگی کا ہر شعبہ اس سے متأثر ہے۔ مساجد، خانقاہیں، مقبرے، مدارس ہر جگہ یہ ظلم ہو رہا ہے۔ آیت میں آمیزش کا سوال ہے لیکن یہاں توحید ہی سرے سے غائب ہے۔ پھر بھی لوگ ہدایت یاب بنے بیٹھے ہیں بلکہ اس ظلم پر نکیر امت میں اختلاف پیدا کرنے کا الزام بن گیا ہے۔ اسلامی جمہوریت کے دعویدار تو اسے ووٹوں کے ذریعہ حق قرار دیں گے۔

۳۔ **ارتیاب۔** صحیح اور خالص ایمان کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان کو ان حقائق اور صداقتوں کے متعلق ادنیٰ شک و شبہ نہ ہو جنہیں تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے۔ اگر کسی مسلمان کا ایمان ریب و شک سے مبرّا ہو تو اسے صادق کا اعزاز ملے گا۔ جن لوگوں کو ان حقائق اور صداقتوں کے کسی جزء اور قضیہ پر شک ہو گا وہ اللہ کے نزدیک صادق نہیں ہیں۔ غیب سے متعلق حقائق جیسے کلام رب۔ رؤیت باری تعالیٰ، جنّت و جہنم اور اس کی نعمتوں کے متعلق جو فرقے شک رکھتے ہیں۔ ان سے صداقت چھنی ہوئی ہے۔ کتاب و سنت کے بیان کردہ حقائق کو مان لینا اسلامی صداقت اور ایمان کی صحت کی دلیل ہے۔

۴۔ **محاداۃ اور فیصلۂ رسولؐ پر عدم انقباض۔** صحت ایمان کے لئے ضروری ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کریں ان سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ ان سے رشتۂ محبت و اخوت استوار نہ کیا جائے خواہ مخالفین اپنے ہی بھائی بند کنبہ قبیلہ، باپ بیٹے ہی کیوں نہ ہوں، اگر ایسے اللہ اور رسولؐ بیزار لوگوں سے ایک مسلمان قطع تعلق کر لیتا ہے تو اس کی عظمت اور قوت قلب کی دلیل ہے۔ وہ اپنے عزم و ہمت سے ایمان کو اپنے دل کا نقش جاوداں بنا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو نور ایمان سے منور کر دیتا ہے اور ایمان اس کے اندر جاگزیں کر دیتا ہے اسے اپنی تائید و نصرت عطا کرتا ہے، اس معیار پر پہنچ کر بندۂ مومن اپنی صحت ایمان کی منہ بولتی تصویر بن جاتا ہے۔

لیکن مومن فیصلۂ رسولؐ پر کامل تسلیم و رضا اختیار کرتا ہے، اسے رسولِ پاکؐ کے فیصلے پر شرح صدر ہوتا ہے جن کے دل فیصلۂ رسولؐ پر مطمئن نہ ہوں وہ مومن نہیں ہیں، ان کا ایمان نہیں ہے۔ فیصلۂ رسولؐ پر کامل تسلیم و رضا کا اطلاق ان لوگوں پر بھی نہیں ہو گا جنہوں نے دیدہ و دانستہ آپؐ کے فرمان کو چھوڑ کر اپنی جبینِ عقیدت کو دوسروں کے سامنے خم کر دیا ہو۔ ایسے لوگوں کے ایمان کی صحت میں شبہ ہو گا۔

۵۔ **عقیدۂ خالص** کے لئے ضروری ہے کہ بندۂ مومن ہر طرح کے شرک سے مجتنب رہے۔ وہ شرک چاہے ریا ہو یا غیر اللہ کی عبادت ہو یا ان کا وسیلہ ہو۔ اسے تمام اقسام شرک سے بچنا پڑے گا۔

۶۔ **خالص توحید** کے اور کھرے عقیدے کے لئے لازم ہے کہ اللہ نے اپنی محکم و متشابہ آیتوں میں جو کچھ فرمایا ہے انہیں فرمانِ رب سمجھتے ہوئے بغیر کسی چون و چرا کے مان لیا جائے۔ یہی صحتِ ایمان کی دلیل ہے۔ اگر ایک مسلمان متشابہ آیات کے چکر میں پڑ کر اپنی عقل و خرد کو آزمائش میں ڈالتا ہے تو یہ اس کے دل کی کجی ہے۔ کجی سے مسلمانوں کو پناہ مانگنا چاہیئے۔ اس کجی میں مسلمانوں کے اکثر فرقے گرفتار ہو گئے اور متشابہات کے چکر میں فتنوں کا عظیم دروازہ کھول دیا۔ اسماء و صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ ہو یا دیگر غیبیات کا مسئلہ، ان تمام مسائل میں امت کے بہت سے طبقے "زیغ" میں مبتلا ہو گئے۔ آیت نمبر ۷،۸ آل عمران نے وضاحت کر دی ہے کہ اللہ کے بتلائے ہوئے حقائق میں چون چرا کرنا "زیغ" ہے۔

مذکورہ چھ امور سے اجتناب ایمان کامل و عقیدۂ خالص کے لئے ضروری ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ یہ چھ امور گمراہی اور ضلالت ہیں اور خالص ایمان کے خلاف ہیں۔ اپنی اصطلاحوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ صحیح العقیدہ ہونے کے لئے قبر پرستی، پیر پرستی (ظلم)، معبودانِ باطل ہوا و ہوس تجدد پسندی (طاغوت)، باطنی جماعتیں (ارتیاب) انکارِ حدیث (محاداۃ رسولؐ) کفر و الحاد (شرک)، اعتزال*

* اشعریت، ماتریدیت، وحدۃ الوجود وغیرہ (زیغ) سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ (باقی)

از: جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمان۔ چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل

جھوٹی شہادت اور اُس کی سزا!

اسلام اور اس کے قانون میں گواہی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسلامی قانون غالباً دنیا کے تمام نظام ہائے قوانین میں اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس نے ہر جُرم یا واقعے کے ثابت کرنے کے لئے کم از کم تعدادِ گواہان کا تعین کر دیا ہے اسلام میں گواہی کی اہمیت کے پیشِ نظر گواہ کے اوصاف بھی متعین ہیں کہ گواہ کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہیئے۔ چنانچہ گواہی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ گواہی دینے والا عادل ہو۔ فسق و فجور میں مشہور نہ ہو۔

وہ شخص جو جھوٹا ہو اور کسی معاملے یا مقدمہ میں جھوٹی گواہی دے، اُس پر دوہرا بوجھ ہے۔ ایک تو یہ کہ اس نے جھوٹ بول کر اپنی عاقبت خراب کی اور دوسرے یہ کہ ناحق کی حمایت کرکے حقدار کو اس کا حق ملنے سے روک دیا اور جس کا حق نہ تھا اس کو بے جا نفع پہنچانے کا سبب بنا۔

جھوٹی گواہی دینے والا دراصل ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور قرآن کے مطابق:۔ (ترجمہ) ”جو شخص تعدی اور ظلم سے ایسا کرے گا، ہم اس کو عنقریب دوزخ میں داخل کریں گے“ (النساء: ۳۰)

گواہی دراصل خدا کی ایک امانت ہے جو بندے کے پاس ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص کو کسی واقعے کے بارے میں علم ہو اور اُس سے دریافت کیا جائے تو اُس کا فرض ہے کہ وہ صحیح بات، جو اُس کے علم میں ہے، حاکمِ عدالت کو بتا دے۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے کہ: (ترجمہ)

”اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا کہ خدائے تعالےٰ کی گواہی کو جو اس کے پاس ہے چھپائے اور جو تم کرتے ہو اللہ اُس سے غافل نہیں ہے“۔ (البقرہ: ۱۴۰)

اس صورت میں ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے:۔

”شہادت کو مت چھپاؤ۔ اور جو کوئی شخص گواہی کو چھپائے اس کا دل گنہگار ہے۔ اور اللہ تعالےٰ جو کچھ تم کرتے ہو، اس سے خوب واقف ہے“۔ (البقرہ ۲۸۳)

سورۃ النساء میں اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو تعلیم و ہدایت فرماتا ہے۔ (ترجمہ)

”اے مسلمانو! انصاف پر قائم رہو اور خدا سے ڈرتے ہوئے گواہی دو۔ یعنی سچی بات کہو۔ اگرچہ وہ گواہی خود تمہارے اپنے یا تمہارے ماں باپ یا عزیز و اقارب کے خلاف ہو۔ اگر کوئی شخص مالدار یا مفلس ہے تو اللہ تعالےٰ ان کا تم سے زیادہ نگہبان ہے۔ تم انصاف کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہش پر مت چلو اور اگر گواہی میں پیچ ڈالو گے یعنی گھما پھرا کر بات کرو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تعالےٰ تمہارے کاموں سے آگاہ ہے“۔ (النساء: ۱۳۵)

سورہ مائدہ کی آیت میں پھر اسی مضمون کو ذرا دوسرے انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ:۔ (ترجمہ)

”اے مسلمانو! خدا کے واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے پر مستعد رہو۔ اور لوگوں کی دشمنی تم سے بے انصافی نہ کرائے۔ انصاف کرو۔ انصاف پرہیزگاری تک پہنچنے کی نزدیک ترین راہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ سے ڈرو کیونکہ اللہ تعالےٰ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو“۔ (المائدہ: ۸)

آج کل ہمارے معاشرے میں پیشہ ور گواہوں کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو روپے لے کر ہر قسم کی جھوٹی گواہی دینے کے لئے

ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ اسلام ایسے لوگوں کو سخت تنبیہ کرتا ہے گواہی دینے سے مقصود دنیا کی منفعت نہ ہونا چاہیئے۔ گواہی خالص اللہ کے لئے ہے اور اس کا اجر بھی اللہ کے ہاں ملے گا۔ جو لوگ گواہی کو اپنا پیشہ بنا کر اس سے دنیا کی کوئی کمائی کرتے ہیں۔ وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور ان کے لئے قیامت کے دن اللہ کی پکڑ بڑی زبردست ہوگی۔ سورہ مائدہ کی آیت " ہم کو اس گواہی سے دنیا کمانا منظور نہیں ہے " گو جس کے لئے ہم گواہی دیں وہ ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن کا صریح ضابطہ ہے کہ گواہی کو تم اللہ کے لئے خاص کردو۔ (المائدہ : ۱۰۶)

جھوٹی گواہی کی سزا

جھوٹی شہادت دینے والے کی سزا قرآن پاک میں بیان نہیں ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں جھوٹی شہادت دینے والے کے خلاف سخت وعید (اخروی عذاب کی تنبیہ) آئی ہے۔ لیکن دنیوی سزا مذکور نہیں ہے۔ البتہ حضرت عمرؓ کے متعلق کہا گیا ہے کہ آپ نے جھوٹی شہادت دینے والے شخص کی تشہیر کی ہے۔ ایک اور موقع پر ۴۰ کوڑے لگانا بھی منقول ہے۔

ذیل سطور میں مختلف مکاتب فقہ کی نمائندہ آراء پیش کی گئی ہیں :-

حنفی مسلک

شمس الائمہ امام شمس الدین سرخسی نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف " المبسوط " میں امام محمدؒ کا ایک قول نقل کیا ہے جو انہوں نے قاضی شریح کے متعلق بیان کیا ہے کہ جب کوئی شخص جھوٹی شہادت کا مرتکب ہوتا تو قاضی شریح نماز عصر کے بعد (کیونکہ اس وقت بازار میں عام طور پر ہجوم ہوتا تھا) اسے بازاروں کی طرف بھیج دیتے۔ اگر وہ بازار سے تعلق رکھتا۔ اور اگر بازار سے تعلق نہ رکھتا تو اس کے قبیلے والوں کی طرف بھیج دیتے۔ اور جو لوگ اُس وقت جمع ہوتے۔ عدالتی کارندہ ان کے سامنے منادی کرتا کہ قاضی شریح نے تم سب کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اس شخص کو ہم نے جھوٹی گواہی دینے والا پایا ہے۔ اس لئے اس شخص سے بچو (مبسوط۔ امام سرخسی : مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ جلد ۱۶ ص ۱۴۵)

امام ابوحنیفہؒ نے قاضی شریح کے اسی عمل کو اختیار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قاضی کے لئے کافی ہے کہ وہ جھوٹی شہادت کے جرم میں جھوٹی گواہی دینے والے کی تشہیر کرائے۔ اور اس کو سزا نہ دے۔ اس کے برخلاف صاحبین (امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ) جھوٹی گواہی دینے والے کے لئے تعزیر اور قید کے قائل ہیں جس کی مقدار کا تعین قاضی خود اپنی صوابدید سے کرے گا۔ سزا کے بارے میں امام ابویوسف سے پچاس اور ستر کوڑے بھی منقول ہیں۔ امام سرخسی نے حضرت عمرؓ کا ایک فعل بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جھوٹے گواہ کے ۴۰ کوڑے مارے اور اس کے چہرے کو کالا کر کے گشت کرایا۔ (المبسوط۔ امام سرخسی مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ جلد ۱۶ ص ۱۴۵)

المختصر القدوری میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جھوٹے گواہ کے لئے سزا اس کی تشہیر بازاروں میں کافی ہے اس پر کوڑے مارنے کے ذریعہ تعزیر نہیں ہے۔ اس کے برخلاف امام ابویوسف وامام محمدؒ کے نزدیک تعزیر (کوڑے مارنا) بھی ہے اور قید کرنا بھی ہے۔ لیکن قدوری کی شرح جوہرہ نیرہ میں لکھا ہے کہ صاحبین نے حضرت عمرؓ کے فعل کو حجت قرار دیا ہے کہ آپ نے جھوٹے گواہ کو کوڑے بھی مارے تھے اور اس کے چہرے کو کالا کر کے تشہیر بھی کی تھی۔ اور پھر بعد میں قید بھی کر دیا تھا۔ اسی کتاب میں آگے لکھا ہے کہ اگر جھوٹا گواہ بار بار اس جرم کا مرتکب ہو تو پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی وہی سزا ہے جو صاحبین کا قول ہے (المختصر القدوری، مطبوعہ قرآن محل کراچی۔ کتاب الشہادت ص ۲۲)

شافعی مسلک

شافعی مسلک کی مستند کتاب " المہذب " میں لکھا ہے کہ جب یہ ثابت ہو جائے کہ شاہد جھوٹا ہے تو امام کے لئے جائز ہوگا کہ وہ چاہے تو اس کو جسمانی سزا (ضربات) دے یا قید کرے یا تنبیہ کرے اور چاہے تو اس شخص کو اس کے بازار یا جائے نماز اور قبیلے میں پھرائے اور منادی کرائے کہ اے لوگو! جان لو کہ اس شخص نے جھوٹی گواہی دی ہے۔

(المہذب مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۳۳۰)

حنبلی مسلک

علامہ ابن قدامہ المقدسی حنبلی نے بھی لکھا ہے کہ جب حاکم جھوٹی شہادت سے واقف ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ جھوٹی شہادت دینے والے کو تعزیر دے اور اس کو ایسے مقامات پر گشت کرائے جہاں وہ شہرت رکھتا ہو۔ اور یہ اعلان کرا دیا جائے کہ یہ شخص جھوٹی شہادت دینے والا ہے اس سے بچو۔ (المغنی ابن قدامہ المقدسی مطبعہ سلفیہ جلد ۳ ص ۲۰۷)

مالکی مسلک

مالکی فقہاء بھی مذکورہ بالا شافعی اور حنبلی نقطۂ نظر سے متعلق ہیں۔ ان کے نزدیک رشوت لے کر گواہی دینے والے کے حق میں بھی یہی سزا ہے۔

(جواہر الاکلیل، عبد السمیع الابی، مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۲۳۷)

شیعی مسلک

فقہ جعفریہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹی گواہی کی صورت میں جس کے معاملے میں گواہی دی گئی ہے اگر وہ مالی معاملہ ہے اور حاکم فیصلہ کر چکا ہے تو فیصلہ رد کر دیا جائے گا اور مال (مدعی) سے واپس لے لیا جائے گا۔ اگر واپسی مشکل ہو تو گواہوں پر تاوان عائد ہوگا اور اگر سزا کا معاملہ ہو اور سزا دے دی گئی ہو تو شاہدوں سے قصاص لیا جائے گا۔

(شرائع الاسلام نجم الدین ابو جعفر الحلی مطبوعہ بیروت جلد ۲ ص ۱۴۲)

راقم الحروف کی رائے

مندرجہ بالا فقہی مندرجات کے مجموعی مطالعے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جھوٹے گواہ کے لئے شریعت میں عقوبت یعنی سزا ہے لیکن وہ سزا کیا ہو۔ اس کا فیصلہ حاکم وقت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے وہ چاہے تشہیر کرائے اور اگر ضروری سمجھے تو مناسب تعزیر یعنی کوڑوں کی سزا دے اور اگر چاہے تو قید کر دے۔

میری رائے میں موجودہ معاشرتی حالات کے پیش نظر جب کہ ہمارا قانون اور عدالتی نظام اسلامی بنیادوں پر قائم نہیں ہے۔ سزا میں تخفیف کا رجحان ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔ الا یہ کہ وہ کتاب اللہ اور سنّت متواترہ کے ذریعے کوئی معینہ اور مقررہ حد ہو۔

۱۔ چنانچہ میں جھوٹی گواہی دینے والے شخص کے لئے تازیانہ اور تشہیر کی سزا تجویز کروں گا جس سے لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اس شخص نے جھوٹی گواہی دی ہے۔ اس کی بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ آپ نے جھوٹے گواہ کو تادیب کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا اس جھوٹے شخص نے جھوٹی شہادت دے کر حق و صداقت کو روسیاہ کیا لہٰذا اس کے چہرے کو کالا بنا لو، اس نے صحیح بات کو الٹا کیا۔ لہٰذا اس کی پشت کو الٹا کر دو۔ اور اس کے منہ پر کالک مل کر سواری پر اُلٹا کر کے اس کی تشہیر کرو۔ چنانچہ اس کو شہر کے بازاروں میں پھراتے تھے اور منادی کرنے والا آواز دیتا تھا کہ یہ فلاں شخص ہے اس نے فلاں معاملے میں جھوٹی شہادت دی ہے۔ میری رائے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق ہے۔

الف)۔ سطور بالا میں جس تشہیر کا مشورہ دیا گیا ہے وہ در حقیقت تعزیر کے حکم میں ہے۔ میرے نزدیک جھوٹی گواہی دینے کے جرم میں کسی شخص کو کوڑے لگانے کے حکم سے بہ اعتبار نتیجہ یہ کم سزا نہیں ہے کہ اس شخص کو خود اس کے حلقۂ تعارف و اثر میں سواری پر اُلٹا کر کے گھمایا جائے اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا جائے کہ یہ شخص جھوٹی گواہی کا مرتکب ہوا ہے۔ لوگو! اس کا اعتبار نہ کرنا۔

(ب) مزید برآں جدید عہد میں ریڈیو، اخبارات، ٹیلی ویژن کے ذریعے بھی اس شخص کے بارے میں اطلاع شائع کی جا سکتی ہے۔ یہ کارروائی "سیاست شرعی" کے طور پر عمل میں آئے گی جو اس تشہیر کے علاوہ ہوگی جس کا مشورہ سطور بالا میں دیا گیا ہے۔

۲۔ بار بار جھوٹی گواہی دینے والے شخص کو تعزیر (کوڑوں کی سزا) دی جانی چاہیئے جیسا کہ ابو حنیفہؒ اور صاحبین متفق ہیں۔

۳۔ حاکم عدالت جھوٹی گواہی کے سنگین نتائج کے پیش نظر جھوٹی گواہی دینے والے شخص کو تشہیر کے علاوہ تعزیر یا قید یا دونوں سزائیں دینے کا مجاز ہو۔ یہ تعزیر قید کے علاوہ دُرّوں کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

۴۔ جھوٹی گواہی دینے کے جرم کی مزید پاداش کے طور پر ایسے شخص کو مردود الشہادۃ قرار دیا جائے یعنی اس وقت تک جب تک کہ وہ اپنے اس قبیح فعل سے تائب نہ ہو جائے اس کی شہادت دوسرے تمام معاملات میں ناقابل قبول قرار دی جائے اور آئندہ

کے لئے وہ شخص شہادت کے لئے نااہل قرار پائے گا۔ حضرت عمرؓ نے احکامِ قضا سے متعلق جو خط قاضی ابوموسیٰ اشعری کو لکھا تھا اس میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ جھوٹی گواہی دینے والا شخص شہادت کا اہل نہیں ہے۔

جھوٹے گواہ کے ذمہ تاوان کی ادائیگی

فیصلہ صادر ہونے کے بعد اگر یہ ثابت ہو کہ گواہ نے جھوٹی گواہی دی تھی تو اس صورت میں اگرچہ عدالت کا وہ فیصلہ برقرار رہے گا لیکن گواہ کو فیصلہ شدہ شے کا تاوان اس فریق کو ادا کرنا ہوگا جس کو اس کی شہادت سے نقصان پہنچا ہو، یہ صورت مالی امور سے متعلق ہوگی۔ قصاص اور حد سرقہ مجرم پر جاری ہونے کے بعد اگر یہ ثابت ہو کہ گواہ نے جھوٹی گواہی دی تھی تو گواہ پر دیت کی ادائی لازم ہوگی اور حد سرقہ کی صورت میں مالِ مسروقہ کی قیمت بازار کی ادائیگی بھی اس کے ذمہ ہوگی۔ مذکورہ بالا صورتوں میں اگر گواہ دو ہوں اور دونوں کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو جائے تو دونوں گواہ تاوان یا دیت (جیسی بھی صورت ہوگی) کی ادائیگی کا بحصہ مساوی ذمہ دار ہوں گے اور اگر دو گواہوں نے گواہی دی ہو اور ایک کی گواہی جھوٹی ثابت ہو جائے تو اس صورت میں وہ نصف دیت کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔ لیکن اگر دو سے زائد گواہوں نے شہادت دی ہو اور بعض کی گواہی جھوٹی ثابت ہو مگر باقی ماندہ گواہوں سے شہادت کا نصاب پورا ہوتا ہو جو شرع نے مقرر کیا ہے تو اس صورت میں گواہ پر تعزیر عائد ہوگی۔ دیت کی ادائیگی کا حکم نہ دیا جائے گا کیونکہ نصاب شہادت پورا ہے۔ لیکن اگر بقیہ گواہ نصابِ شہادت سے کم رہ جائیں تو جھوٹا گواہ اگر ایک ہے تو وہ نصف تاوان یا دیت (جیسی بھی صورت ہو) مشہود علیہ (جس کے خلاف شہادت دی گئی ہو) کو ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ اور اگر ایک سے زائد ہوں تو سب مل کر نصف تاوان یا دیت (جیسی بھی صورت ہو) ادا کرنے کے بحصہ مساوی ذمہ دار ہوں گے۔ جب کہ یہ گواہ مرد ہوں۔ بالفرض کسی مالی یا غیر مالی مقدمے میں (علاوہ حدود قصاص) اگر ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں اور سب جھوٹے گواہ ثابت ہوں تو اس صورت میں مرد کے ذمے نصف اور ہر عورت کے ذمے ایک چوتھائی تاوان یا دیت کی ادائیگی لازم ہوگی۔

جسٹس حمود الرحمٰن مرحوم کی رائے

آخر میں لازم یا مناسب ہوگا کہ مرحوم جسٹس حمود الرحمٰن سابق چیف جسٹس آف پاکستان اور چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک خطبے کا اقتباس پیش کیا جائے۔ موجودہ قانونی نظام کو اسلامی شریعت سے ہم آہنگ کرنے کے لئے ضروری تبدیلیوں کے بارے میں مرحوم نے ارشاد فرمایا تھا۔

بنیادی تبدیلی جو بروئے کار آنی چاہئے یہ ہے کہ کوئی ایسا طریقہ تلاش کیا جائے جس کے ذریعے جھوٹی گواہی پیش کرنے کی لعنت کو ختم کیا جاسکے۔ جھوٹی قسم کھانے والے کو سزا دینے کا موجودہ طریق کار اتنا بوجھل اور دیر طلب ہے کہ عدالتیں عموماً اسے اختیار کرنے سے گریز کرتی ہیں چنانچہ میری تجویز ہے کہ اس صورت حال کو ختم کرنے کے لئے اسلامی اصول اپنایا جائے اور جو شخص جھوٹی گواہی دے اس کے متعلق اعلان کر دیا جائے کہ وہ آئندہ کسی مقدمے میں گواہی نہ دے سکے گا اور ایسے گواہ کا باقاعدہ ایک رجسٹر رکھا جائے اور جس عدالت کے روبرو جھوٹی گواہی دی جائے اسے بھی یہ اختیار ہونا چاہئے کہ وہ جھوٹی گواہی یا قسم کھانے والے کو سزا دے سکے نہ یہ کہ اسے صرف جیسا کہ موجودہ قانون میں کہا گیا ہے شکایت داخل کرنے کا اختیار ہو۔ اگر یہ طریق کار اپنا لیا گیا تو ہمیں پیشہ ور گواہوں کے گروہ سے نجات مل جائے گی۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ گواہ سے حلف قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر لیا جائے نہ کہ موجودہ معمول کی طرح محض افراد صالح کی صورت میں نیز دیوانی مقدمات میں مدعا علیہ اور فوجداری مقدموں میں ملزموں سے بھی حلف لینا چاہئے۔ ایک عہدہ ایسا بھی قائم کیا جائے کہ جن لوگوں کو عدالت میں گواہی کے لئے طلب کیا جائے ان کا ریکارڈ رکھا جاسکے اور ان کے کردار اور شہرت کے بارے میں مقامی طور پر تحقیقات ہو سکے اس صورت میں تجربات

(باقی ص ۱۹ پر)

بحث ونظر

مولانا برہان الدین سنبھلی۔ اُستاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ

بینک سے تعاون اور اس کے انٹرسٹ[1] (سُود) کا شرعی حکم؟

الحمد للہ ربّ العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الامین محمد و آلہٖ واصحابہ اجمعین

عرصۂ دراز سے مسلمانوں کی بدقسمتی سے مسلم ملکوں سمیت تمام دنیا پر جو اقتصادی نظام مُسلّط ہے۔ اس میں ربوٰ، بیوعِ فاسدہ اور معاملات کے دیگر غیر شرعی طریقے عام ہیں۔ نیز کاروباری ضرورت۔ اور دیگر بہت سے مصالح، اور حاجات کی وجہ سے بنکوں کا توسّط اختیار کرنا اور ان میں رقموں کا جمع رکھنا بھی ناگزیر سا ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عام بینکوں کا سارا نظام سُود کے سہارے چلتا ہے بلکہ سود کو اس میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اور سُود کا اسلامی نقطۂ نظر سے قابلِ احتراز بلکہ قابلِ نفرت ہونا اتنا معروف ہے کہ بتلانے کی ضرورت نہیں تاہم سُود کی شناعت اور مذمت کے بارے میں جو نصوص وارد ہوئے ہیں۔ یہاں ان میں سے بعض کا تذکرہ خالی از فائدہ نہ ہوگا (انشاء اللہ)

قرآن مجید کے اندر سُود کے بارے میں وعیدیں

قرآن مجید میں ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (البقرۃ۔ ۲۷۵) "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں اُٹھیں گے مگر اُس شخص کے مانند جس کو شیطان نے اپنی چھوت سے پاگل بنا دیا ہو"

ایک اور آیت میں نہایت تہدید آمیز انداز اختیار کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (البقرۃ ۲۷۸)

"اے ایمان والو! اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سُود تمہارا باقی رہ گیا ہے اُس کو چھوڑ دو، اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لئے خبردار رہو۔"

مزید براں یہ کہ سُورۂ آل عمران میں سود خواروں کی وہ سزا بیان کی گئی ہے جو کافروں کی ہے۔ (وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ) (آل عمران۔ ۱۳۱) اس آخری آیت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ نے بجا فرمایا ہے:۔

ان هذه الأية هي أخوف آية في القرآن حيث اوعد الله المؤمنين بالنار المعدة للكافرين ان لم يتقوه (تفسیر مدارك التنزیل۔ للنسفی آیت ۱۳۱)

---

[1] جو لوگ بینک کے سود کو سود نہیں سمجھتے ان کے مطالعہ کے لئے آئندہ چند صفحات میں چند کتابوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے جن کے مطالعے کے بعد کسی صاحب نظر کو اس کے "سود" ہونے میں شک نہیں رہ جانا چاہئے۔ نیز ان لوگوں کو تفسیر "معارف القرآن" و "تدبر قرآن" میں آیاتِ ربا کی تشریح دیکھنی چاہیئے۔

" قرآن کی یہ آیت سب سے زیادہ خوفناک ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں (سُود خواروں) کو بھی اس آگ میں جلائے جانے کی دھمکی دی گئی ہے جس میں کافر ہی جلائے جائیں گے، اگر مسلمان سُود خواری سے باز نہ آئے"

اور علامہ محمود آلوسی نے اس آیت کے تحت کیا خوب لکھا ہے :۔

وفیہ اشارۃ أن اکلۃ الربا علی شفا حفرۃ الکفر (روح المعانی۔ آیت مذکورہ کے تحت)

" اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سُود خوار اور کفار پہلو بہ پہلو رہیں گے "

احادیث میں سُود خواروں کا ذکر

علاوہ ازیں احادیث نبویہ (علی صاحبہا التحیۃ) میں سُودی لین دین کرنے والوں کے بارے میں جس درجہ کی شدید وعیدیں مذکور ہیں۔ ایمان والوں کے انہیں سُننے کے بعد رونگٹے کھڑے ہو جانے چاہئیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

دِرْهَمُ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلٰثِيْنَ زَنْيَةً۔

" سُود کا ایک درہم کھانا، یہ جانتے ہوئے کہ یہ حرام ہے، چھتیس بار زنا کرنے سے بھی زیادہ خطرناک ہے "

اور بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے۔

مَنْ نَبَتَ لَحْمُهُ مِنَ السُّحْتِ فَالنَّارُ أَوْلٰى بِهِ (مشکوٰۃ ص ۲۴۶۔ باب الربٰو)

" جو جسم سُود کی غذا سے پلا ہو اس کا اصل ٹھکانا آگ ہی ہے "

یہاں پر یہ بتانے کی ضرورت تو معلوم نہیں ہوتی کہ صرف سُود لینا ہی جرم و معصیت نہیں ہے بلکہ اس کا دینا اور اس معاملے میں کسی طرح کا حصہ لینا بھی جرم اور معصیت ہے۔ صحیح مسلم میں ہے :۔

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ

(صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۷) " سُود لینے والے، دینے والے اور اس کا حساب کتاب لکھنے والے، اس بارے میں گواہی دینے والے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ اور فرمایا کہ یہ سب کے سب داخل گناہ میں، برابر ہیں۔"

ان آیات و احادیث کا حق یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ و رسول پر ایمان رکھتا ہو، سُود سے پوری طرح بچے اور اس سے ایسے بھاگے جیسا کہ شیر سے یا کسی اور مہلک و خوفناک چیز سے بھاگتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی بھی ہے۔

لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الرِّبٰوا فَإِنْ لَّمْ يَأْكُلْهُ أَصَابَهُ مِنْ بُخَارِهِ (مشکوٰۃ، ص ۲۴۵)

" ایک زمانہ ایسا بھی ضرور آئے گا جس میں سود سے کوئی نہیں بچ سکے گا، اگر کوئی براہِ راست سُود کھانے سے بچ بھی جائے تو بالواسطہ اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے گا"

غالباً یہ پیشین گوئی موجودہ زمانہ میں پوری ہو رہی ہے کہ کوئی بھی شخص خواہ وہ کتنا ہی اس سے بچنا چاہے مگر (بلاواسطہ یا بالواسطہ) ربٰو، یا اس کے غبار سے محفوظ نہیں رہ سکا ہے۔ اور یہ ہمہ گیری زیادہ تر۔ بلکہ تمام تر بینکنگ سسٹم کے زمانہ کی "ضرورت" بن جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے تو ایسی صورت میں کیا مشہور فقہی قاعدہ "الضرورات تبیح المحظورات" ؏ کی رُو سے بینک کے موجودہ نظام سے فائدہ اٹھانے کو بلا قید جائز و مباح سمجھا جائے ؟ یا آیات و احادیث کے پیش نظر اس سے بچنے کا اہتمام کیا جائے ؟ یہ ایک ایسا اہم سوال ہے جس کا جواب موجودہ زمانہ کے علماء کو دینا ہے آئندہ سطروں میں اسی سوال کا جواب دینے یا۔ یوں کہہ لیجئے کہ بینکنگ سسٹم سے فائدہ اٹھانے کا۔ شرعی نقطۂ نظر سے جائزہ لینے کی ایک حقیر کوشش کی گئی ہے (باقی)

؏ "ضرورتیں ناجائز کو جائز بنا دیتی ہیں" اس کی تفصیل اور حوالہ جات آگے ملاحظہ کیجئے۔

تحقیق و تنقید (قسط ۲۹) مولانا صغیر احمد شاعف بہاری

محمدی صراطِ مستقیم بجواب دیوبندی صراطِ مستقیم

حنفی سوم: دونوں رکعتوں میں تین تکبیرات کی احادیث اگرچہ تعداد میں کم تر ہیں۔ لیکن شاید قوت و تقابت اور تعامل صحابہ میں اول الذکر روایات سے فائق ہیں۔ چنانچہ امام طحاویؒ نے ابو عبد الرحمٰن قاسم کی روایت نقل کی ہے۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پڑھائی تو چار چار تکبیریں کہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا۔ بھول نہ جانا۔ عید کی تکبیریں جنازے کی طرح چار ہیں۔ ....
امام طحاوی فرماتے ہیں اس حدیث کی سند حسن ہے (ص ۱۹۶، ۱۹۷)

اہلحدیث یہاں آپ کا زورِ قلم سجدہ ریز ہو گیا۔ اور آپ کی تحریروں سے واضح ہوا کہ آپ شک میں مبتلا ہیں یقین نہیں ہے۔ لہٰذا شبہ کو چھوڑ کر یقین کی طرف لوٹ آئیے۔

یہ روایت اگرچہ متکلم فیہ ہے لیکن ہم آپ کی بات تسلیم کرتے ہیں کہ یہ حدیث آپ کے نزدیک قابلِ حجت ہے لیکن کیا اس حدیث سے آپ کا مذہب موافقت کرتا ہے؟ جہاں تک علم کا تعلق ہے اس سے کوئی موافقت نہیں۔ اس حدیث میں ہر رکعت میں چار چار تکبیروں کا ذکر ہے لیکن قراءت سے قبل یا بعد کا ذکر نہیں۔ اور جنازہ کی تکبیرات سے مشابہ بتایا گیا ہے۔ اور تکبیرات جنازہ کے متعلق تو ہر شخص کو معلوم ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد ثنا وغیرہ پھر دوسری تکبیر کے بعد درود پھر تیسری تکبیر کے بعد دعا، اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام۔ طریقہ احناف کے یہاں بھی معروف ہے۔ اب عیدین کی تکبیروں کا معاملہ تو ایسا نہیں۔ اگر پہلی تکبیر کے بعد کچھ پڑھ کر پھر اسی ترتیب سے چاروں تکبیریں ہوتیں تو شاید "کالجنائز" کہنا صحیح ہوتا لیکن یہاں تو بالکل اُلٹ معاملہ ہے۔ ایک بات اور بھی واضح رہے کہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے بعد صلاۃ جنازہ ہی کے ارکان ادا کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ثناء، درود، دعا، لیکن اگر کوئی عیدین کی تکبیروں کے درمیان سُبحانَ اللہ وغیرہ پڑھے تو وہ ایجاد بدعت ہوگی، سُنّت نہیں۔ لہٰذا اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال کیوں کر صحیح ہے؟

حنفی "۲۔ عن عبد الرحمٰن ..... سوائے تکبیر تحریمہ کے" (ص ۱۹۷۔ ۱۹۸)

اہلحدیث عبد الرحمٰن بن ثوبان والی وہی روایت ہے۔ جو اوپر گذری یعنی سند تو جیسی ہے، ہے ہی۔ لیکن متن میں وہی قباحت ہے جو اوپر والی روایت میں ہے۔

پھر اس کی تائید میں جو روایت آپ نے طحاوی سے نقل کی ہے وہ تو پہلی دونوں روایتوں کی مخالفت ہے کیونکہ اس روایت میں دونوں رکعتوں میں ۴، ۴ تکبیروں کا ذکر ہے۔ افتتاح والی تکبیر کو چھوڑ کر۔ اور حنفیہ ہر رکعت میں تین تکبیروں کے قائل و فاعل ہیں۔ گویا اپنی پیش کردہ روایت پر بھی عمل پیرا نہیں ہیں۔

حنفی چہارم: دراصل اس باب میں ائمہ اجتہاد کا اعتماد مرفوع احادیث کے بجائے صحابہ کرام کے تعامل پر ہے .... چنانچہ امام مالک مؤطا ص۶۳ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے عمل سے سات اور پانچ کی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں۔ "ہمارے پاس اسی پر عمل ہے"

اور حضرت ابن عباسؓ سے اس سلسلے میں مختلف روایات مروی ہیں . . . . حنفیہ کا عمل حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث پر ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد تین تکبیریں کہے پھر قراءت کے بعد تین تکبیریں کہے . حضرت ابن مسعود کی احادیث نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۱۳ و ص ۳۱۴ ۔ مصنف عبدالرزاق ج ۳، ص ۲۹۳، طحاوی ج ۲ ص ۴۰۱ کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ . ج ۱ ص ۳۰۳ ۔ کتاب الآثار ص ۵۳۷، مجمع الزوائد، ج ۲ ص ۲۰۵، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۳ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں" (۱۹۸-۱۹۹)

اہلحدیث | حسب معمول یہاں بھی آپ نے تطویل کو چھوڑ کر آسانی سے آگے بڑھ گئے . اور صرف قارئین کو حوالوں ہی پر ٹرخا دیا . جناب عوام کو کیا پتہ کہ ان صفحات و اجزاء میں جو کچھ ہے اس کا کیا مفہوم ہے . آپ تو جواب اس لئے لکھنے بیٹھے تھے کہ عوام آسانی سے استفادہ کر کے عمل کرنے لگیں لیکن یہاں تو معاملہ بالکل الٹ گیا . عوام انتظار ہی میں رہیں گے کہ اس کا فیصلہ کس طرح ہو .

دراصل عبداللہ بن مسعودؓ سے جو روایتیں آئی ہیں ، وہ اس قدر مختلف ہیں کہ ان میں تطبیق دینا مشکل ہے اور تاویل کا راستہ بھی بند ہے . اس لئے خیر اسی میں ہے کہ آدمی دم دبا کر چل دے . اس لئے کہ جب تحقیق میں آدمی پڑے گا تو تین تین تکبیروں کا ثبوت تو ہونے سے رہا الٹا معاملہ اور بھی الجھاؤ میں پڑتا جائے گا . کیونکہ عبداللہ بن مسعود سے ان ہی محولہ مقامات سے ۶ کے بجائے ۹ تکبیروں کا بھی ذکر موجود ہے وغیرہ ذلک ۔

حنفی | متعدد صحابہؓ سے حضرت ابن مسعودؓ کی تصدیق و تصویب یا موافقت منقول ہے ۔ اس کے بعد بعض اقوال نقل کئے گئے ہیں جن میں تکبیرات عیدین کو نماز جنازہ کی تکبیرات اربعہ پر قیاس کیا گیا ہے . اور ان اقوال کی بنیاد پر حنفی طریقے یعنی ہر رکعت میں تین تین تکبیریں کہنے کو راجح بتلایا گیا ہے (ملخصاً ص ۱۹۹ - ۲۰۲)

اہلحدیث | جتنی روایتیں آپ نے ذکر کی ہیں ان کی سندوں کا حال کیا ہے . ان میں جو اختلاف ہے اس میں توفیق و تطبیق کی صحیح صورت کیا ہو گی . جنازے سے عیدین کو مشابہ کرنا صحیح بھی ہے یا نہیں ؟

دونوں نمازوں میں کئی وجوہ مغایرت ہیں :۔

۱ ۔ جنازہ میں رکوع و سجود نہیں . اور عیدین میں رکوع و سجود ہیں ۔

۲ ۔ جنازہ غمی کی حالت میں ہے اور عیدین خوشی کی حالت میں ۔

۳ ۔ جنازہ کو احناف سرے سے نماز تسلیم ہی نہیں کرتے چند صفحے پہلے آپ بھی یہی لکھ چکے ہیں ۔

۴ ۔ جنازے میں میت کی مغفرت کے لئے خصوصی دعا ہے اور عیدین میں پروردگار کی بڑائی کا اظہار کرنا مقصود ہے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

ان تمام وجوہ مغایرت کے ہوتے ہوئے کس طرح دونوں کو یکساں کہا جائے لہٰذا تکبیرات عیدین کو تکبیرات جنازہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں اور اس سلسلے میں جتنی روایتیں پیش کی جاتی ہیں وہ سب باصول محدثین مخدوش ہیں .

چند صحابہ سے اگر بسند غیر مقبول روایتیں بعض کتب احادیث میں مروی ہیں تو اس سے جمیع اصحاب و تابعین و ائمہ کا اتفاق پر دلالت کرنا غالباً سورج کو منہ چڑانے کے مترادف ہے ۔

جناب پہلے میں لکھ چکا ہوں تمام اکابر صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین اور فقہاء سبعہ ، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اور اہل حرمین بلکہ تمام بلاد اسلامیہ کا عمل بارہ تکبیروں پر رہا ہے . دیکھئے " القول السدید " مصنفہ صاحب تحفۃ الاحوذی ۔

رہی یہ بات کہ بعض صحابہ سے اس کے خلاف بھی روایتیں منقول ہیں . اور ان میں بعض آثار و موقوفات صحیح بھی ہیں ، تو اس سے اتفاق و اتحاد پر دلالت کرنا کسی حال میں بھی صحیح نہیں .

لہٰذا اگر متفق علیہ ہی کر لینا ہے تو پھر بارہ تکبیروں ہی کو

لینا چاہیئے اور خود احناف کی کتابوں میں بھی بارہ تکبیروں کا ذکر ہے۔ جیساکہ بنوری صاحب نے خلافِ توقع معارف السنن ج ۴ صفحہ ۴۴۲ پر اعتراف کیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ احناف کا مسلک اس باب میں کمزور ہے اور وہ صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔

بقیہ باتوں کا جواب اس سے قبل دیا جا چکا ہے۔

حنفی سوال یازدہم: سُنّتِ فجر: اس مسئلے میں دو جہتیں متعارض ہیں، ایک یہ کہ فجر کی پہلی سنتوں کی بہت تاکید آئی ہے دوم یہ کہ نمازِ جماعت میں شرکت کی بھی بہت تاکید فرمائی گئی ہے۔ ائمہ احناف نے دونوں تاکیدوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ اگر اس شخص کو جماعت کی ایک رکعت مل جانے کا اطمینان ہو تو تب تو دونوں فضیلتوں کو جمع کرے۔ پہلے مسجد کے دروازے پر سنتیں ادا کرے اور پھر جماعت میں شریک ہو جائے اور اگر خیال ہو کہ سنتوں میں مشغول ہوا تو جماعت کی دونوں رکعتیں نکل جائیں گی تو جماعت میں شریک ہو جائے اور سنتیں طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھے کیونکہ نماز کے بعد نفل پڑھنے کی احادیثِ متواترہ میں ممانعت آئی ہے۔ سلف کا عمل بھی اس بارے میں مختلف رہا" (ملخصاً ص ۲۰۲-۲۰۳)

اہلحدیث دیکھا آپ نے سوال کیا تھا؟ اور جواب کیا دیا؟ سوال یہ تھا کہ "نماز کے لئے اقامت ہو چکی ہو تو دوسری کوئی نماز نہیں ہوتی ہے پھر کیوں لوگ فجر کی سنت اس وقت پڑھنے لگتے ہیں۔ جب کہ فرض نماز شروع ہے۔ حدیثِ نبوی کی رو سے نماز نہیں ہوئی؟ رہا یہ کہ مسجد کے کسی گوشے میں پڑھ لینا تو کیا امام کی قراءت کی آواز کانوں سے نہیں ٹکراتی؟ جو مقلدین فاتحہ خلف الامام کی صحیح و قوی احادیث کو محض اپنے تقلیدی مذہب کی وجہ سے نظر انداز کر دیتے ہیں اور یہ باور کراتے ہیں کہ یہ نصِ قرآن اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ کے خلاف ہے۔ ایسے مقلدین سے مذکورہ سوال بالکل صحیح ہے کہ وہ فجر کی نمازِ جماعت کے وقت سنتیں کیوں پڑھتے رہتے ہیں جب کہ مقلدین کا یہ فعل نصِ قرآنی فَاسْتَمِعُوا کے بھی خلاف ہے اور اس حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ "فرض نماز کی اقامت ہو جانے کے بعد کوئی نماز نہیں ہوتی"۔ لیکن مولانا لدھیانوی نے سوال کے اس اہم پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اور اپنے تقلیدی مسلک کے اثبات کے لئے جو احادیثِ صریحہ کے خلاف ہے، عقلی دلائل کی بیساکھیوں کا سہارا لیا ہے۔

تاہم موصوف کی عبارت سے ایک پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ شاید اس باب میں کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے۔ لہٰذا علماء نے اپنے اپنے طور پر اس کا فیصلہ کیا اور اس میں اختلاف واقع ہو گیا۔ حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس باب میں خاص اسوۂ رسول ﷺ موجود ہے، قولی بھی اور فعلی بھی۔ یعنی آپ ﷺ نے اقامت کے بعد قولاً نوافل پڑھنے سے منع فرما دیا اور بعضوں کو پڑھتے دیکھا تو انہیں روک دیا۔ اور فجر کی سنتیں آپ ﷺ کے سامنے فجر کی جماعت کے فوراً بعد پڑھی گئیں تو آپ ﷺ خاموش رہے اور اس پر کوئی نکیر نہیں کی۔ اس لئے فجر کی سنتیں اقامت کے بعد پڑھنا ممنوع اور فرض کے بعد پڑھنا سُنّتِ تقریری ہوئی تفصیل بحث کے لئے دیکھئے۔ "اعلام أهل العصر بأحكام ركعتي الفجر" لابی الطیب العظیم آبادی۔

حنفی حنفیہ کی تائید میں مندرجہ ذیل آثار ہیں (اس کے بعد بعض صحابہ و تابعین کے اقوال نقل کئے گئے ہیں۔)

اہلحدیث جناب اسی کو کہتے ہیں: "أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ" یعنی رسول ﷺ کی سُنّت کو چھوڑ کر بعض صحابہ کی سُنّتِ اجتہادی کو قبول کرنا جب کہ ان آثار میں سے اکثر غیر ثابت شدہ بھی ہیں اور پھر اکابر صحابہ سے بھی انکار مروی ہے۔ مثلاً حضرت عمرؓ کسی کو اقامت کے وقت کوئی نماز پڑھتے دیکھتے تو زد و کوب کرتے تھے۔ ابن عمرؓ پتھر مارتے تھے۔ اور ابو ہریرہؓ انکار کرتے تھے

اور ابوموسیٰ و ابوحذیفہ سنّت کے بجائے فرض میں شریک ہوجاتے تھے۔ دیکھو اعلام اھل العصر ص ۱۴۱-۱۴۴۔

پس ایسے مواقع پر رجُوع الی الکتاب والسنّۃ ہی صحیح ہے۔ پس ان آثار پر عمل کا مطالبہ بروزِ جزا ہم سے نہیں ہوگا لیکن قول و فعل رسول پر عمل کا مطالبہ ضرور ہوگا۔ لہٰذا ہمارے لئے تاجدارِ مدینہ شافع روزِ جزا رسول الثقلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی لازم و ضروری ہے۔

حنفی سوال دوازدہم: "تاخیر واجب پر سجدہ سہو۔"

اس سوال کے جواب میں بھی کہ "احناف کے نزدیک نماز کے دوران سُورۂ فاتحہ اور دوسری صورت کے درمیان اتنا وقفہ ہوجائے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہا جاسکے تو سجدۂ سہو لازم آجاتا ہے۔ اس کی کیا دلیل ہے؟" موصوف نے عقلی تقریر ارشاد فرمائی ہے اور کوئی نص پیش نہیں کی ہے (ص ۲۰۵، ۲۰۷)

اہلحدیث لیکن چونکہ لدھیانوی صاحب نے یہاں خاص اپنا موقف بیان کیا ہے اس لئے ہمیں اس پر نقد کرنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ اس موقع پر اُنہوں نے کسی دوسرے کو چھیڑنے کی کوشش نہیں کی ہے۔

تاہم ازراہِ خیرخواہی ایک حدیث نبویؐ یہاں پیش کرتا ہوں تاکہ اس پر بھی کبھی غور کرنے کا موقع مل جائے اور چونکہ ہم سب کے نزدیک حدیث رسول ہی اصل ہے۔ یعنی قرآن کریم کے بعد جس کا نمبر ہے وہ حدیث رسولؐ ہی ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں:- باب ما جاء فی السکتتین فی الصلاۃ .... عن سمرۃ قال: سکتتان حفظتهما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانکر ذلك عمران بن حصین وقال حفظنا سکتۃ فکتبنا إلی ابی بن کعب بالمدینہ، فکتب أبی ان حفظ سمرۃ قال سعید فقلنا لقتادۃ ما هاتان السکتتان قال: إذا دخل فی صلاتہ واذا فرغ من القراءۃ ثم قال: بعد ذلك واذا قرأ "ولا الضالین" قال وکان یعجبه اذا فرغ من القراءۃ أن یسکت حتی ان یترادالیہ نفسہٗ رواہ ایضاً احمد وابوداؤد وابن ماجہ و راجع تحفۃ الاشراف للمزی حدیث رقم ۴۵۸۹ وحدیث رقم ۴۶۰۹۔ وللّٰہ الحمد

موصوف سوچیں کہ کیا حنفی مسلک اس حدیث کے مخالف نہیں۔؟

حنفی سوال سیزدہم: ران ستر ہے۔ اس سلسلے میں موصوف نے متعدد احادیث اس مفہوم کی نقل کی ہیں، جن سے مرد کی ران کا ستر ہونا معلوم ہوتا ہے (ص ۲۰۸-۲۱۲)

اہلحدیث اس مسئلہ میں چونکہ دونوں طرف حدیثیں ہیں، اور ابتداء ہی سے دونوں مسلک رائج ہیں اور راقم کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ "الفخذ عورۃ" لہٰذا اس پر مجھے کچھ کلام کرنا نہیں ہے لیکن اہلِ ظاہر کو بھی میں اس باب میں بُرا نہیں کہتا۔

حنفی دوسرا اصُول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں بظاہر تعارض نظر آئے تو قول کو ترجیح ہوگی" (ص ۲۱۳)

اہلحدیث یہ اصُول بھی حسب ضرورت ہے ورنہ چند صفحات پہلے وتر کے مسائل میں ہم نے واضح کیا ہے کہ آپ نے اس اصل کی پابندی نہیں کی۔ اور فقہ میں ایسے بہت سارے مسائل ہیں جو اس اصُول کے خلاف ہیں۔

حنفی تیسرا اصُول یہ کہ اگر شارع علیہ السّلام کے ارشاد فرمودہ کسی اصُول اور قاعدے سے کوئی خاص جُزئی واقعہ بظاہر ٹکراتا ہو، تو اصُول اور قاعدۂ کلیہ کو ترجیح ہوگی اور خاص واقعے میں تاویل کی جائے گی" (ص ۲۱۳)

اہلحدیث شوکانی وغیرہ نے بھی اس کی اچھی تاویل کی ہے وہ یہ کہ انسانی زندگی میں بعض مواقع ایسے آتے ہیں جہاں بعض محظورات کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً یہی واقعہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کھل گئی تھی، میدان جنگ کا ہے لہٰذا لڑائی جھگڑے اور جنگ کے مواقع وغیرہ پر اگر ران کھلی رہے تو حرج نہیں لیکن امن و امان کے مواقع پر احتیاط ہی ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(باقی ہے)

تحریر: عطیۃ السلام بنت عنایت اللہ بخاری (مدرسۃ البنات چوک دالووطور)

عورت کے لئے پردہ عذاب نہیں سراپا رحمت ہے

یہ بات ہمارے لئے باعثِ مسرت ہے کہ اس گئے گذرے دور میں حق بات کہنے والوں کی کمی نہیں۔ البتہ کمی ہے تو حق بات برداشت کرنے والوں کی ہے۔ یہ سچ ہے کہ حق ایک کڑوی گولی ہے۔ اور کوئی بھی اس گولی کو حلق میں اتارنے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن حق بات کہنا ہر مسلمان کا فرض ہے جس طرح کتمانِ حق گناہ ہے اسی طرح اظہارِ حق ثواب ہے۔ اگر کلمۂ حق جابر سلطان کے سامنے کہا جائے تو جہاد بھی ہے مگر ستم یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص حق کی آواز اٹھاتا ہے۔ ایک طرف اس شخص کو سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور دوسری طرف یہ اٹھنے والی آواز الحاد پسند پریس اور حکومت کے اثر واقتدار کے ذریعہ دبا دی جاتی ہے۔

خواتین سیرت کانفرنس میں جس کم عمر مجاہدہ (حافظہ فوزیہ طاہرہ) نے حق کی صدا بلند کی تھی وہ ہماری جماعت کے نامور اہلِ قلم مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کی دختر ہیں۔ اس خاتون نے نہ صرف اپنا حق ادا کیا ہے بلکہ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے دور کی ایک شاندار مثال قائم کی ہے۔ فاروقِ اعظم خطبہ دے رہے تھے۔ فرمانے لگے عورتوں کے حق مہر زیادہ نہ باندھا کرو۔ اسی دوران ایک عورت کھڑی ہو گئی۔ کہنے لگی، اے عمرؓ! تم کون ہوتے ہو، یہ بات کہنے والے؟ قرآنِ مجید میں ہے کہ اگر تم عورت کو حق مہر کے عوض ایک خزانہ بھی دے دو تو تب بھی جائز ہے۔ حضرت عمرؓ فرمانے لگے، عورت نے درست کہا ہے اور عمرؓ نے غلطی کی ہے۔

یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اگر قوم کی اس غیرت مند بیٹی نے صدرِ مملکت اور ان کی بیگم صاحبہ کو ایک شرعی مسئلہ پر متوجہ کیا تھا تو اسے کتنی حقارت کی نگاہوں سے دیکھا گیا حالانکہ خود بیگم ضیاء صاحبہ نے بھی یہ تسلیم کیا کہ مجھے تو مردوں سے ہاتھ ملانا خود برا محسوس ہوتا ہے اس کے علاوہ صدر ضیاء کا جواب بھی تسلی بخش تھا لیکن میں بیگم سلیمہ احمد سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ اس کو یہ کہنے کی کس طرح جرأت ہوئی کہ قرآن مجید میں کہیں نہیں لکھا کہ غیر مرد سے ہاتھ نہ ملایا جائے جس پر دیگر بیگمات نے تالیاں بجائیں۔

بیگم سلیمہ احمد نے بھری محفل میں یہ لفظ کہہ کر انتہائی جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ اگر وہ قرآن مجید کے احکام اور مفہوم کو کچھ بھی سمجھتی ہوتی تو یہ جسارت کبھی نہ کرتی۔ قرآن تو واضح طور پر کہہ رہا ہے: "اے نبی کی بیویو تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو۔ اگر تم صاحبِ تقویٰ ہو تو کسی مرد سے ایسے نرم (لوچدار) لہجے میں گفتگو نہ کرو جس سے کسی بدنیت شخص کے دل میں رغبت پیدا ہو۔ گویا غیر مرد سے گفتگو میں بھی ایسے اندازِ تخاطب پر زور دیا گیا ہے جس سے دوسرے کو غلط فہمی بھی پیدا نہ ہو چہ جائیکہ اس سے ہاتھ بھی ملایا جائے؟ نبی کی بیویوں کو دی جانے والی تعلیم یا حکم امت کی عام عورتوں پر بھی اسی طرح نافذ ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی اجنبی عورت سے ہاتھ نہیں ملایا۔ ھذا الحدیث فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۵۴۔ عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس بیعت کرنے کے لئے تشریف لایا کرتی تھیں۔ آپ ان سے بیعت لیتے تھے۔ لیکن مردوں کی طرح ہاتھ پہ بیعت نہیں لیا کرتے تھے۔

اگر بیگم سلیمہ احمد غیر مردوں سے ہاتھ ملانا جائز سمجھتی ہیں تو یہ ان کا اپنا شوق ہے۔ لیکن میں کہتی ہوں کہ کم از کم قوم و ملک کی بیٹیوں کو اس کی دعوت نہ دے اور نہ ہی اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے قرآن و حدیث کا کھلے بندوں انکار کرے۔

تقریباً تین چار ماہ قبل بھی اخبارات میں سلیمہ احمد کا یہ بیان شائع ہوا تھا کہ پردہ اور چار دیواری عورت کے لیے عذاب ہے۔ میں اور میری بہنیں ہم نہ صرف سلیمہ احمد بلکہ پردہ کی مخالفت کرنے والی اس کی ہمنواؤں کی پُرزور مذمت کرتی ہیں۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں پردہ اور چار دیواری عورت کے لئے عذاب نہیں بلکہ رحمتِ الٰہی ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اسلام نے جو عزت و مرتبہ عورت کو دیا ہے وہ دوسرے کسی مذہب نے نہیں دیا۔ اسلام نے عورت کو زیب و زینت اور بے پردگی کی نمائش کو سختی سے روکا ہے عورت اور چار دیواری لازم و ملزوم ہیں صرف چادر اور چار دیواری میں ہی رہ کر اس کی حفاظت کر سکتی ہے۔

قرآن مجید کا مطالبہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں ہی ٹھہری رہیں اور دورِ جاہلیت میں نمائش کا جو دستور تھا اس طرح اپنے آپ کو دکھاتی نہ پھریں (سورت احزاب) اس لئے ان کے لئے صرف گھر کی چار دیواری میں ہی رہنا بہتر اور باعث رحمت ہے

قرآن مجید کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ عورتیں گھروں سے باہر نکلیں یا کسی کے سامنے آئیں تو چادر کو اُوپر ڈال لیں اور اپنے زینت کے مقامات ظاہر نہ ہونے دیں۔ ارشاد باری ہے۔

"اے نبی اپنی عورتوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمان عورتوں کو کہہ دیجئے کہ اپنے اُوپر چادر لٹکائیں اس میں زیادہ اُمید یہ ہے کہ وہ پہچانی جائے گی۔ اور ان کو کوئی نہیں ستائے گا۔"
(سورۃ احزاب)

دستور بھی کچھ ایسا ہے کہ وہ عورتیں جو خاص طرز کا لباس پہنتی ہیں یا خاص طور پر بن سنور کر نکلتی ہیں اور اپنی خوبصورتی اور زینت کا اعادہ کرتی ہیں۔ اُن کے متعلق کوئی شخص بھی اچھی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ بخلاف ان پاکدامن اور مومن عورتوں کے جو اپنے آپ کو چادر میں ڈھانپ کر رکھتی ہیں جس سے نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ شریف طبقہ کی عورتیں ہیں۔

قرآن مجید کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ عورت جب گھر سے نکلے تو اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس سے زینت کا اظہار ہو یا دوسروں کی توجہ کا مرکز بنے نہ ظاہری طور پر اور نہ باطنی طور پر۔ ارشاد باری ہے۔ "عورتیں اپنے پاؤں کو زمین پہ نہ ماریں جس سے ان کی پوشیدہ زینت کا پتہ چل جائے۔"
(سورۂ نور)

عورتیں عموماً پاؤں میں مختلف زیورات پہنا کرتی ہیں۔ بعض زیورات ایسے ہوتے ہیں جن کے باعث چلتے وقت آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح کے زیورات بالکل ممنوع ہیں بعض زیور خود تو نہیں بجتے لیکن دوسرے زیور سے ٹکرا کر آواز پیدا کرتے ہیں۔ مگر احتیاط ضروری ہے تاکہ آواز پیدا نہ ہو۔ اسی طرح عورت کو خوشبو، عطر وغیرہ لگا کر گھر سے باہر نکلنے کی بھی ممانعت ہے۔ آج بیگم سلیمہ احمد ہاتھ ملانے کو جائز سمجھتی ہیں۔ ذرا ان آیتوں کا مطالعہ کر کے دیکھئے عورت کو مسجد میں جانے کی اجازت ہے لیکن خدا کے گھر میں حاضری کے لئے خوشبو لگا کر نکلنے کی اجازت نہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ" ہر آنکھ زانیہ ہے اور جو عورت خوشبو لگا کر مجلس پر گذرتی ہے وہ بھی زانیہ ہے۔"

مذکورہ بالا آیات اور احادیث کی روشنی میں غور کیجئے کہ کس حد تک اسلام نے عورت کو چادر اور چار دیواری کے اندر اور باہر پابند کیا ہے۔ لیکن آج مسلمان خواتین ہی برابر رٹ لگا رہی ہیں کہ ہمیں پوری پوری آزادی دی جائے ہمیں مردوں کے برابر حقوق دیئے جائیں اور سرکاری سطح پر ہمیں ملازمتیں سے

دی جائیں لیکن خواتین کی آزادی اور بے پردگی سے جو خطرناک نتائج نکلتے ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔ کیا شوہروں کا قتل اور عورتوں کا اغوا اسی بے پردگی اور آزادی کا نتیجہ نہیں جن ملکوں میں عورتوں کو مکمل آزادی ہے ان کے حالات پڑھ کر دیکھیں ان ملکوں کے نہ صرف اخراجات بڑھ گئے ہیں بلکہ فتنہ و فساد کے چشمے اُبلنے لگے ہیں۔ مرد۔ عورت کے آزادانہ میل جول سے لوگوں میں کمینہ عادات اور پراگندہ خصلتیں پیدا ہو گئی ہیں جس سے لوگوں کی غیرتیں مُردہ ہو گئیں، ارادے پست ہو گئے۔ اور طبیعتوں میں کمینہ پن آ گیا۔ ایک خاتون ان الفاظ میں اپنی دلسوزی کا اظہار کرتی ہے۔ "جو لڑکیاں مخلوط تعلیم کی پیداوار ہیں ان کی اخلاقی سیرت کے متعلق کہنا چاہتی ہوں کہ مخلوط تعلیم سے ان کی خلقی عصمت اور غیرت تباہ ہو جاتی ہے اور ان میں زیادہ سے زیادہ مردانہ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں جس سے وہ گھریلو زندگی کے نظام کو سنبھالنے کے قابل نہیں رہتیں۔ موجودہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی مخلوط تعلیم جو مغربی طرز پر قائم ہے ہماری لڑکیوں کے لئے تباہ کن ہے۔

کون نہیں جانتا ہے کہ خواتین کی آزادی ملک کو تباہ و برباد کر ڈالتی ہے۔ قوم کی ریڑھ کی ہڈی توڑ ڈالتی ہے۔ عورت اس صدی میں خوش ہے کہ اسے حقوق مل رہے ہیں۔ وہ ہر محکمہ میں ملازمت کر رہی ہے مگر اسے پتہ نہیں کہ مردوں نے اس عورت کو بیل گائے کی طرح استعمال کرنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے قدرتی فرائض سے دن بدن دُور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ مردوں کی تفریح کے لئے خواتین کو سینما کے پردے پر آنا پڑا۔ مردوں کی وابستگی کا سامان مہیا کرنے کے لئے تھیٹر کی ناپاک زندگی قبول کرنا پڑی۔ مردوں کی ہوس پورا کرنے کے لئے کلب اور ناچ گھروں میں جانا پڑا مگر اب تک عورت یہی سمجھتی ہے کہ اسے مردوں کی غلامی سے نجات مل گئی ہے۔ اس کے علاوہ مرد بھی نہیں سوچتا کہ عورت کی آزادی سے اس کو کیا نقصان ہو رہا ہے۔ کتنی شریف زادیاں سینما اور تھیٹر وغیرہ کی نمائش بن گئیں۔ کتنے شریف گھرانوں کی بہو بیٹیاں گھر سے نکل گئیں اور کتنے پاکدامن عورتوں کی عصمت رسوا ہو رہی ہے۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے خواتین کی قدم قدم پر اسی وجہ سے عصمت میں رہنمائی کی ہے کہ نہ صرف نظام تمدن برقرار رہے بلکہ مرد عورت دونوں اپنے فرائض منصبی بحسن و خوبی انجام دے سکیں۔ یہ بھی عرض کر دیتی ہوں کہ عورتوں کے متعلق حجاب کا جو خداوندی قانون ہے تجربات کی روشنی میں اہل یورپ کے بڑے بڑے علماء نے بھی اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔ اخلاق یورپ نے مرد عورت کے باہمی میل جول کے نتائج جو سامنے پیش کر دیئے ہیں اور خود ہمارے ملک میں کالج اور یونیورسٹیوں کی مخلوط تعلیم نے جو تجربات فراہم کئے ہیں۔ ان کو سامنے رکھ کر عقل بھی یہ کہتی ہے کہ پردہ کا حکم شرعی بغیر افراط و تفریط کے سراپا رحمتِ خداوندی ہے۔

بقیہ:۔ جھوٹی شہادت اور اس کی سزا

کے لئے یہ ممکن ہو گا کہ وہ گواہوں کی دی ہوئی شہادت کی صحیح قدر و قیمت متعین کر سکیں۔ نیز مجرموں پر جرح کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ یہ طریقہ ایسا ہے کہ برطانیہ میں بھی اس پر عمل ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہو گا کہ قانونِ شہادت کو اسلامی شہادت سے ہم آہنگ کیا جائے۔ اگر ہمارے موجودہ عدالتی نظام میں یہ تبدیلیاں بروئے کار آ جائیں اور ہمارے جج صاحبان اسلامی فقہ اور اصول فقہ میں اسلامی قانون سے ضروری واقفیت بہم پہنچا لیں تو ہمارا موجودہ عدالتی نظام اسلامی شریعت کو اطمینان بخش طریقے پر نافذ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ (بشکریہ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور)

اطلاعات و اعلانات

جلسہ فضائلِ قرآن

الجامعۃ الکمالیہ دار الحدیث میں پانچ طلبہ کے حفظِ قرآن کی تکمیل کی تقریب اور تبلیغ اسلام کے لئے ۲ مارچ بروز جمعۃ المبارک صبح ۱۰ بجے سے شام ۵ بجے تک ایک جلسہ منعقد ہوگا جس میں جید علماء خطاب فرمائیں گے (ناظم نشر و اشاعت جامعہ کمالیہ دار الحدیث رجسٹرڈ راجووال ضلع اوکاڑہ)

ضرورت خطیب و مدرس تعلیم القرآن

جامع مسجد اہل حدیث منکیرہ ضلع بھکر کے لئے ایک امام اور خطیب کی ضرورت ہے جو مقامی بچوں کو ناظرہ قرآن پاک پڑھا سکیں رہائش کا بہترین انتظام ہے۔ مشاہرہ معقول دیا جائے گا۔ صرف ذمہ دار اور شادی شدہ حضرات رابطہ قائم کریں (مولانا عمر فاروق صاحب سعیدی (امیر جمعیت اہلحدیث منکیرہ) مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد)

ضرورت امام و مدرس

جامع مسجد اہل حدیث فتح پور ضلع لیہ کے لئے ایسے عالم دین کی ضرورت ہے جو مقامی بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ امامت کے فرائض بھی ادا کر سکیں۔ رہائش کے لئے مکان موجود ہے۔ تنخواہ اور دیگر معلومات کے لئے فوراً بالمشافہ یا بذریعہ خط و کتابت رابطہ قائم کریں (ڈاکٹر محمد سلیم ملتان روڈ فتح پور ضلع لیہ)

درخواست دعائے صحت

حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی صحت بحمد اللہ پہلے سے کافی بہتر ہے مگر تاحال نقاہت باقی ہے احباب ان کی صحت کاملہ کے لئے اپنی دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھیں (ادارہ)
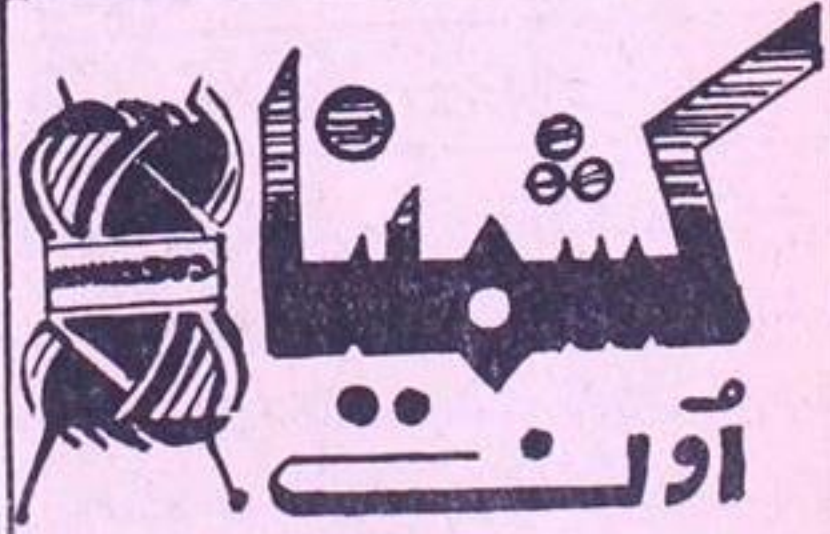
ابوظہبی میں قادیانیوں کی تنظیموں پر پابندی لگا دی گئی

قادیانی غیر مسلم ہیں: انہیں دفن کرنے کی بھی اجازت نہیں ہوگی: حکومت متحدہ عرب امارات

ابوظہبی کی اسلامی امور اور اوقاف کی وزارت نے اعلان کیا ہے کہ قادیانیوں کے کسی کلب یا تنظیم کو ابوظہبی میں کام کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی خلیج ٹائمز نے یہ اطلاع دیتے ہوئے بتایا کہ اعلان میں عوام کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرائی گئی ہے کہ تنظیم اسلامی کانفرنس قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے چکی ہے۔ اعلان میں مزید کہا گیا ہے کہ قادیانی استعماری طاقتوں سے تعاون کرتے ہیں اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے اسلام کا نام لے کر اسلامی شریعت کے خلاف کام کرتے ہیں۔ اعلان میں بتایا گیا ہے کہ ابوظہبی میں قادیانیوں کو دفن کرنے کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ قادیانیوں کی کسی بھی تنظیم کی طرف سے جاری کردہ کسی سرٹیفکیٹ اور کسی بھی دستاویز کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

(نوائے وقت ۱۰ فروری ۱۹۸۴ء)

پنجاب میں ہر قسم کی طلباء تنظیموں پر پابندی لگا دی گئی

لاہور۔ پنجاب کے گورنر اور زون اے کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خاں نے آج مارشل لاء کا حکم ۳۰ جاری کیا ہے جس کے تحت صوبے بھر میں تمام سٹوڈنٹس یونینیں، سٹوڈنٹس فیڈریشنیں اور اس نوعیت کی تمام تنظیمیں توڑ دی گئی ہیں تعلیمی اداروں کے اندر اور باہر ایسی تنظیموں کے دفاتر سر بمہر کر دیئے جائیں گے اور ان دفاتر میں موجود یا ان تنظیموں کی ملکیت تمام دستاویزات اور اشیاء ضبط کر لی جائیں گی حکم کے تحت تمام بنکوں میں ان تنظیموں کے بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر جمع شدہ فنڈ اور حسابات بھی منجمد کر دیئے گئے ہیں یہ حکم فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔ اور اس کا اطلاق پورے صوبہ پر ہوگا۔ اس حکم میں موضوع یا متن کے علی الرغم کونسل کا مطلب سوسائٹی کلب یا ایسی تنظیم ہوگا جس کا کوئی سیاسی تعلق یا رجحان نہ ہو اور جو اس حکم کے تحت قائم کرائے اور جس کو حکم تحت کام کرنے کی اجازت ہو تعلیمی ادارے کا مطلب تعلیمی اور تربیتی ادارہ ہوگا جس میں یونیورسٹی اس سے ملحقہ ادارے کالج یا سکول شامل ہوگا۔ اس حکم میں سٹوڈنٹس فیڈریشن کا مطلب سٹوڈنٹس یونینز کی فیڈریشن ہے اور اس میں اس نوعیت کی ہر تنظیم شامل ہے خواہ اس کا نام کچھ بھی ہو اور خواہ ایک یا زائد تعلیمی ادارے کے لئے قائم کی جائے یا کسی بھی بنیاد پر قائم ہو۔ سٹوڈنٹس یونین میں کسی بھی تعلیمی ادارے کے طلباء کی انجمن یا تنظیم شامل ہے خواہ اس کا نام کچھ بھی ہو حکم میں کہا گیا ہے کہ جس بنک میں یا جس شخص کے پاس کسی یونین فیڈریشن یا اس نوعیت کی تنظیم کا حساب ہو وہ فوراً متعلقہ تعلیمی ادارے کے سربراہ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو سات روز کے اندر اطلاع دے۔ کوئی شخص ایسی تنظیم کا رکن نہیں بنے گا یا اس کا رکن یا عہدہ دار نہیں کہلائے گا کسی یونین فیڈریشن یا تنظیم کے منشور یا پروگرام کی کسی طرح بھی تشہیر نہیں کی جا سکے گی یا بنک میں ایسی تنظیم کا حساب نہیں رکھے گا نہ ہی اس حساب کو استعمال میں لائے گا یا منتقل کرے گا۔ حکم کے مطابق تعلیمی ادارے کے سربراہ کو اختیار ہوگا کہ وہ حکومت پنجاب کی مقرر کردہ حدود و شرائط میں رہتے ہوئے کسی طالب علم کو ادارے سے نکال سکے یا کسی شخص کا ادارے ہوسٹل یا اس متعلق جگہ میں یا اس کی حدود میں داخلہ بند کر سکے۔ اس پابندی کے خلاف درخواست حکم موصول ہونے کے بعد پندرہ دن کے اندر مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون اے اور اس کی طرف سے مقرر کردہ مجاز شخص کو کی جا سکتی ہے حکم میں کہا گیا ہے کہ کسی تعلیمی ادارے میں طلباء کی کونسل قائم کی جا سکتی ہے جو حکومت پنجاب کی طرف سے وقتاً فوقتاً وضع کردہ قواعد یا وضع کردہ ہدایات میں اور ان قواعد کے تحت بنائے گئے مقاصد کے لئے اور طریق کار کے مطابق کام کر سکتی ہے اس حکم کی کسی بھی شق کی خلاف ورزی پر پانچ سال تک قید بامشقت املاک کی ضبطی اور جرمانے کا حکم سنایا جا سکتا ہے۔ (نوائے وقت ۱۰ فروری ۱۹۸۴ء)

علومِ حدیث کے نادر جواہر پارے

۱۔ **اللمحات** :۔ دیوبند میں صحیح بخاری کی شرح بنام "انوار الباری" شائع ہو رہی ہے جس کی متعدد جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ پہلی دو جلدیں بطور مقدمہ ہیں۔ انوار الباری کے لکھے جانے کا اصل مقصد، بعد از کتاب اللہ صحیح ترین کتاب صحیح بخاری شریف اور اس کے عظیم المرتبت مصنف حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ و محدثین کرام اور مذہب اہل حدیث کی تغلیط اور اُن کی تردید ہے۔

- کتاب "اَللّمحَات" انوار الباری کے مقدمے کی تاریکیوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔
- حق فہمی، حق پسندی اور حق پرستی کا جذبہ رکھنے والے اہل علم کے لئے ضروری ہے کہ "اللمحات الی ما فی انوار الباری من الظلمات" کا مطالعہ کریں اور اپنے علم میں گوناں گوں معلومات کا اضافہ کریں۔

کتاب اُردو میں ہے، بہترین کاغذ، عمدہ جلد اور فوٹو آفسٹ پر طبع ہوئی ہے۔ بڑا سائز صفحات پانچ صد سے زائد قیمت/۱۰۰ روپے

۲۔ ائمہ اصحاب ستہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے اپنی کتب میں احادیث کو کیوں روایت نہیں کیا۔
اس کی صحیح حقیقت معلوم کرنے کے لئے، امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی بہترین کتاب "مسئلۃ الاحتجاج بالشافعی" کا مطالعہ کیجئے۔ کتاب عربی زبان میں ہے۔ قیمت -/۴۰ روپے

۳۔ عِلَل الحدیث للامام ابن ابی حاتم رازی (عربی)
مکمل سیٹ دو جلد۔ فوٹو آفسٹ کی بہترین طباعت، ڈائی دار جلد — قیمت -/۲۰۰ روپے

۴۔ الموضوعات الکبریٰ لملا علی قاری
فوٹو آفسٹ کی عمدہ طباعت اور بہترین جلد (بزبان عربی) — قیمت -/۱۲۰ ״

۵۔ ذیل اللآلی المصنوعۃ والتعقبات علی الموضوعات
للامام الحافظ السیوطی (عربی) — مجلد -/۱۰۰ ״

ملنے کا پتہ : **المکتبۃ الاثریہ** : جامع اہل حدیث باغوالی
سانگلہ ہل۔ ضلع شیخوپورہ

ہفت روزہ الاعتصام لاہور